محمد سہیل عمر

رقعاتِ سرمد

This article presents the recently found manuscript, Persian text and Urdu translation of the Ruq'at-i Sarmad, the Epistles attributed to Sarmad Sa'id, the last great master of the Ruba'i genre in Persian, whichhad appeared in print for the first and only time in May, 1926, from Shah Jahani Press, Delhi.
Key Words: Sarmad; Epistles; Persian Literature; Quatrains; Sufism.

پیش رس۔ مترجمین

رقعاتِ سرمد کی یہ اشاعت اوراس کے تراجم قطعا اتفاقی بلکہ حادثاتی ہیں۔ایک دوست کی مدد کرنے کرانے میں اس کٹھنائی سے بھی گذرنا پڑ گیا ورنہ پینتالیس برس تصوف کی چھاؤں میں گذارنے اور فکریاتِ تصوف سے بساط بھر استفادہ کرنے کے باوجود ہمیں کبھی ہندوستانی تصوف کے اس فکری دھارے سے طبعی مناسبت اور دلچسپی محسوس نہیں ہوئی جسے علامہ اقبال ''تصوفِ وجودی'' کا نام دیا کرتے تھے۔انہی میں ایک نام محمد سرمد سعید[المعروف بہ سرمد شہید] بھی ہے۔ ہندوستان کی فکری تاریخ میں محمد سرمد سعید کی حیثیت ایک نیم افسانوی کردار ایسی ہے۔عالمِ بے بدل اور عارفِ باکمال و صوفیِ باصفا سے لے کر کافر و زندیق تک ہر خطاب ان کے حصے میں آیا۔ان کی رباعیات تو معروف ہیں لیکن ان کی سوانح ہمیشہ کچھ گنجلک اور بھید بھری داستانوں کے نرغے میں رہی ہے۔ یہ قضیہ سرمد کے ہم عصر مورخین اور تذکرہ نگاروں سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور ۲۰ ویں صدی میں مولانا ابوالکلام آزاد تک پھیلتا نظر آتا ہے۔مولانا اپنے جنّاتی اسلوبِ نگارش کی پاسداری میں متعلقہ اشعار ٹانکنے کے لیے آس پاس کی بے محل نثر تو بے محابا لکھتے چلے گئے لیکن نفسِ مسئلہ حل کرنے میں ہماری قطعاً کوئی رہنمائی نہیں کی۔مولانا ابوالکلام آزاد اور ان سے پہلے اور بعد کے سب مصنفین نے سرمد کے حالات کے لیے شیر خان لودھی کی مراۃ الخیال کو[شاید قریب العہد ہونے کی وجہ سے] سب سے زیادہ مستند مانا ہے بلکہ مولانا تو اپنی نثرِ مبالغہ میں یہاں تک کہ گذرے کہ ''۔۔سے زیادہ معتبر راوی سرمد کے لیے نہیں ہو سکتے'' حالانکہ مراۃ الخیال سرمد کی شہادت کے ۲۳ سال بعد ۱۱۰۲ھ میں مرتب ہوئی۔ان میں سے کسی نے بھی دبستانِ مذاہب کو لائقِ اعتناء نہیں جانا جبکہ سرمد سے دبستانِ مذاہب کے مصنف، میر ذوالفقار علی آذر اردستانی، کی ملاقات ۱۰۵۷ھ-۱۶۴۷ء میں [یعنی سرمد کی شہادت]۱۰۷۰ھ-۶۵۹ء [سے ۱۳ سال پہلے] حیدر آباد میں ہوئی تھی اور دونوں میں تبادلہ خیال اور علمی تعاون ایسا تھا کہ ذوالفقار اردستانی کی فرمائش پر سرمد نے اس کے لیے توریت کے کچھ حصّے، بالخصوص ''کتابِ آفرینش Genesis''، ابھے چند سے ترجمہ کروائے اور میر ذوالفقار علی کے ساتھ بیٹھ کر نظرِ ثانی کی۔میر ذوالفقار علی اردستانی نے اسے ''صحیفہ آدم'' کا عنوان دیا ہے اور ان کی نظر میں اسے ''سرِ صحیفہ توریت'' Heart of the Torah کی حیثیت

حاصل ہے۔یہی متن[دیکھیے ،ضمیمہ اوّل]دبستانِ مذاہب کے مصنف نے شاملِ کتاب کیااوراس علمی کدّ وکاوش کی غرض بھی وہیں بیان کردی۔ان کا مقصد یہ تھا کہ دینِ موسوی میں تصّورِ خدااور تصّورِ انسان نیز تخلیق اور معاد سے متعلق یہودی عقائد کے بارے میں معلومات حاصل کرسکیں۔ان کے اپنے الفاظ میں:

''نامہ نگار[وہ اپنی جانب 'نامہ نگار' کے الفاظ سے اشارہ کرتے ہیں ،یعنی آج کی زبان میں 'راقم الحروف']کو دانشمندانِ یہود کی صحبت میں بیٹھنےاوران کےاحوال ونظریات سے آگہی حاصل کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تھااوران کے عقائد کے بارے میں جو کچھ اغیار کی کتابوں میں درج تھاان سے اسے التفات نہ تھا کہ وہ سب مبنی بر مخاصمت تھا۔۔۔ابھے چند نے توریت کے کچھ حصّے میرے لیے فارسی میں ترجمہ کیے جو'نامہ نگار' نے سرمد کو دکھا کر،آیاتِ توریت میں ان کی نشاندہی کے مطابق تصحیحات کرنے کے بعد'داخلِ نامہ'[یعنی شاملِ کتاب]کردیئے،اوروہ یہ ہے:نظرِ دوّم،در صحیفہ آدم''۔

یہی وہ نکتہ تھا جس نے ہمارے یہودی دوست اور ہم کار،ربّی ڈاکٹر ایلون گوشین کو متوجہ کیا۔ربّی ڈاکٹر ایلون گوشین ایلیا بین المذاہب انسٹیٹیوٹ Elijah Interfaith Institute کے سربراہ اور بہت پڑھے لکھے شخص ہیں۔سرمد شہید کے بارے میں عام طور پر بتایا گیاہے کہ وہ یہودی نژاد تھےاوراپنے آبائی مذہب میں ایک روحانی مقام اور بلند دستگاہِ علمی کے حامل تھے۔دبستانِ مذاہب کے مصنف نے ان کا تذکرہ جس طرح رقم کیاہےاس سے بعض لوگوں کو یہ گمان بھی گذرا کہ سرمد سعید ہندوستان کی ان شخصیات میں سے تھے جو بیک وقت ایک سے زاید مذاہب کی پیروی کررہے تھے۔اسلام اور ہندومت سے سرمد کا تعلق تو واضح ہےلیکن دبستانِ مذاہب کا اندراج پڑھ کر بعض قارئین کو مزید یہ تاثر ملا کہ شاید اسلام کے پیروکار ہونے کے ساتھ ساتھ سرمد اپنے آبائی مذہب یہودیت سے بھی منسلک رہتے تھے۔بین المذاہب ہم آہنگی پر کام کرتے ہوئے ایک تحقیق کے دوران کسی نے ربّی ایلون کو بھی سرمد کی جانب متوجہ کیااور دبستانِ مذاہب کے اندراج کا انگریزی ترجمہ ان کو فراہم کیا۔موصوف کو مختلف اسباب کی بناپراس موضوع سے دلچسپی تو تھی ہی ،سرمداور یہودیت سے ان کے زندہ تعلق کے مزعومہ حوالے نے مہمیز کا کام کیااور سرمد کے بارے میں مزید کھوج کریدربّی ایلون کو رقعاتِ سرمد تک لے آئی۔رقعاتِ سرمد[فارسی]کی مئی ۱۹۲۶ء کی صرف ایک اشاعت کا ذکر ملتاہے، اصل کتاب نہایت کمیاب ہے۔ربّی ایلون فارسی نہیں پڑھ سکتے لہٰذا ہم سے مدد کے خواستگار ہوئے لیکن مئی ۱۹۲۶ء کی فارسی اشاعت نہ ربّی ایلون کے پاس تھی نہ پاکستان میں کسی کتب خانے میں دستیاب ہوسکی؛واحد حوالہ خلیق احمد نظامی صاحب کا تھا۔ربّی ایلون نے دیوناگری نقل البتہ فراہم کردی تھی جو بغرضِ حوالہ شاملِ اشاعت کی جارہی ہے۔[دیکھیے، ضمیمہ دوم]۔دیوناگری متن سے الٹی زقند لگا کر دوبارہ فارسی متن کی تشکیل اوراس کے اردواورانگریزی ترجمے کا کام جاری تھا کہ ایک نوجوان محقق طارق اشفاق صاحب کی کاوشوں سے علی گڑھ یونی ورسٹی کے کتب خانے میں موجود رقعاتِ سرمد کا مخطوطہ دستیاب ہوگیا۔صفحاتِ مابعد میں اسی مخطوطے کا عکس[دیکھیے ،ضمیمہ سوم]دیوناگری اور فارسی متن اوراردو نیز انگریزی ترجمہ پیش کیا جارہاہے۔ان رقعات کا جزواً یا کلاً انتساب سرمد سے کیا جاسکتا ہے یانہیں اور ربّی ایلون کے

پیشِ نظر Multiple Religious Identities کا جو مسئلہ تھا اس کے ضمن میں ان سے کچھ رہنما اشارے اخذ کیے جا سکتے ہیں یا نہیں، اس پر کچھ عرض کرنا سرِ دست ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اپنے طور پر ہم نے جو رائے قائم کی ہے اس کا سطورِ ذیل میں اظہار کیا جا رہا ہے۔

ربّی ایلون نے سرمد اور یہودیت سے ان کے تعلق کے مبحث سے اپنے تعارف اور شغف کا تذکرہ یوں کیا ہے:

> I discovered a text that has been known by many, but I believe has never before been read in detail and for the information it can reveal to us. This is the Chapter in the *Dabistan*, a 17th century work of comparative religion, written in Persian. Each of its chapters is devoted to another religion. The chapter on Judaism relies in Sarmad as informant and in the process provides us with information on his life. In fact, it is the earliest, and therefore the most authoritative reference to Sarmad, by a contemporary. Reading this text opened up a new perspective on Sarmad. My close reading opened up the question of Sarmad's religious identity and if and in what way he maintained a conscious Jewish identity. If so, I had discovered a Jewish Sarmad, or Sarmad the Jew. As it turns out, Jewish scholars had discussed Sarmad's Jewishness based on some of the text under discussion. I believe, however, that the present study brings this question to a new level of complexity and sophistication, and allows us to revisit the question of Sarmad's religious identity. [١٣]

ایک سے زاید مذاہب سے بیک وقت تعلق رکھنے کے جواز یا مثال کے طور پر دبستانِ مذاہب کے اندراج کو بطور شہادت پیش کرنا کئی لحاظ سے محلِّ نظر ہے۔ رقعاتِ سرمد کی تدوین اور اردو انگریزی ترجمے کے بعد ہم نے اس نظر سے دبستانِ مذاہب کے اصل فارسی متن کا ازسرِ نو جائزہ لیا۔ جو ترجمہ ربّی ایلون کے زیرِ استعمال تھا اس کو بھی فارسی متن سے ملا کر دیکھا گیا۔ ایک طرف اگر انگریزی ترجمے میں فاش اغلاط تھیں تو دوسری جانب اسلام کی مذہبی/علمی روایت کے گہرے اور مفصل علم کی کمی معاملے کو اس کی درست صورت میں دیکھنے اور سمجھنے میں حارج تھی۔ دونوں اسباب نے مل کر اس غلط فہمی کو جنم دیا جو سطورِ ماقبل میں سرمد کو حوالہ بنا کر ایک سے زائد مذاہب سے بیک وقت تعلق رکھنے کے مسئلے پر ربّی ایلون کے اقتباس میں نظر آتی ہے۔ معاملے پر ہماری رائے درجِ ذیل ہے:

> Lastly, but most importantly, the question of keep engaging with the Scripture of one's previous faith tradition (reading, teaching, translating etc. as a conclusive proof of being a "practitioner of multiple religious identities." I have a completely different take on it and my opinion does not stem from my personal predilection. In fact it is grounded in a long standing illustrious tradition of Islamic scholarship that dates back to the Prophetic times when the Prophet

would encourage the learned (in language and Scripture) among his Companions who had come from the Jewish background to read and teach, along with the Qur'an, the Tanakh in Hebrew. The most outstanding example is of his Companion 'Abd Allah ibn Salam, the Jewish Rabbi, who later accompanied Caliph 'Umar on the occasion of the surrender of Jerusalem and helped him in demarcating the exact place of the Temple/Holiest of the Holy which had been turned into a garbage dump by the Christians. 'Abd Allah ibn Salam is known to have the practice of reading the Torah every day and had brought his recitation in line with the customary Muslim practice of reading one *juz* of the Qur'an every day thus completing the cycle in 30 days. Further to it, the Prophet assigned the task of learning Aramaic and Syriac (the original languages of the Christian Bible) to some of the younger companions who were gifted for languages.

Two more points need to be added here before arriving at what I have to say. Firstly, this practice has its Scriptural proof and validity in the verses that declare, *"We have revealed the Torah wherein there is guidance and light"* and *"We have revealed the Injil wherein there is guidance and light."* Secondly, Islamic scholarship, especially the Tafsir tradition (Qur'anic exegesis) considers the Hebrew Scriptures as the second best source of Qur'an interpretation (first being the Qur'an itself) and the third source is the Hadith corpus. Hence its practical need that stems from the fact that the Qur'an contains a lot of references to Biblical history which cannot be understood completely without having recourse to the Jewish and Christian Scriptures. Therefore, the Islamic scholars were always eager to avail of the opportunity of learning firsthand about these Scriptures and from these Scriptures. The most recent example (of early 20th century) is of Hamid al-Din Farrahi, the great Qur'an exegete and the founder of the 20th century school of Qur'an interpretation based on "internal coherence", who had avidly learnt Hebrew from a Jewish scholar named Gabriel, living in Aligarh at that time. The upshot is this: When the author of the Dabistan made his request and when Sarmad responded to it or when Sarmad imparted teachings of the Torah (along with other Scriptures) to Abhay Chand they were both acting according to an established practice of Islamic scholarship. Reading more into it and seeing a "practitioner of multiple religious identities" at work would be, according to my lights, a misplaced judgment! The author of the Dabistan is explicit about it when he says, *"this writer never had the chance of meeting the wise among the Jews and gaining information about*

(their religion) and whatever was found in the books written by the "others" with regard to their beliefs did not attract him since ....".

ایک سے زاید مذاہب پر بیک وقت عمل کے قضیے کو برطرف کرنے کے علاوہ ہم چند اور باتیں بھی قارئین کے گوش گذار کرنا چاہتے ہیں۔

رباعیاتِ سرمد غیر ضروری حدتک مشہور ہیں، رقعاتِ سرمد ضرورت سے کم معروف اور نایاب ہیں! ان رقعات میں علمی، عرفانی اعتبار سے اور تصوف کی فکریات کے حوالے سے کوئی خاص بات ہے بھی نہیں؛ بس اس زمانے کے ذوقِ سجع بندی اور مقفّٰی نثر کا عامیانہ سا نمونہ ہے جو سخن سازی کا شوقین اور اس نوع کی منشیانہ نثر پر دسترس رکھنے والا کوئی بھی وقائع نویس، انشاپرداز بہ آسانی معرضِ تحریر میں لاسکتا ہے! رقعات میں فکری گہرائی بھی مفقود ہے اور مفاہیم تو معاصر ہندوستان کے ''دوں نظر و کم سواد'' متصوفین [ہندو مسلمان دونوں] کے ہاں چلتے ہوئے نمائشی خیالات و تصورات کے عکسِ دل ناپذیر سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ رقعات کے ساتھ اتنا وقت صرف کرنے کے بعد میر صاحب کا درجِ ذیل شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے:

ہوا ہے عارفانِ شہر کو عرفان بھی اوندھا
کہ ہر درویش ہے مارا ہوا عشقِ الٰہی کا

سرمد جیسی نابغہ روزگار شخصیت سے ان رقعات کی کوئی چیز لگّا نہیں کھاتی۔ کہاں وہ سرمد کا عارفانہ مزاج، ذہن کی برّاقی، بے پناہ علم اور ذوقِ تلّہ اور کہاں یہ پست درجے کی بناوٹی انشاپردازی!

ربّی ایلون کے پیشِ نظر Multiple Religious Identities کا مسئلہ تھا۔ ایک سے زاید مذاہب سے بیک وقت تعلق رکھنے کے مسئلے پر رقعاتِ سرمد سے انہیں مزید اشارات میسر آ سکے یا نہیں؛ اس پر کچھ عرض کرنا سرِ دست ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ہماری آراء کا اظہار سطورِ ماقبل میں کیا جا چکا ہے۔ ترجمے میں ربّی ایلون کی مدد کرتے ہوئے ۹۵ برس بعد سرمد سے متعلق ایک دستاویز بہر حال دوبارہ منظرِ عام پر آ گئی۔ یہی اس محنت کا حاصل ہے۔ ممکن ہے اس میدان کے محققین اور ہندوستان کی فکری تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے یہ کسی اعتبار سے مفید ہو سکے۔ فارسی اور اردو متن حواشی اور توضیحات سے معرّی ہیں؛ تفصیلی حوالوں، صوفیانہ اصطلاحات کی شرح، لغوی اور تاریخی نکات کی تخریج اور وضاحتی اندراجات کے لیے قارئین کو انگریزی ترجمے سے رجوع کی زحمت کرنا ہوگی۔

محمد سہیل عمر/ ڈاکٹر خالد ندیم

لاہور، فروری، ۲۰۱۹ء

رقعاتِ سرمد

برادرم محمد رحیم را آنکہ رحیم و کریم، قہار و جبار، ستار و غفار صفات است، اللہ واحد اسمِ ذات است۔ اے عزیز! صفاتِ خدا از ذات است ویں مقام چہ جائے تعجبات است؛ عاشق راہر روز روزِ عید و ہر شب شبِ برات است؛ از کسیکہ دایم در ملاقات است؛ نہ در بندِ حیات است و نہ در قیدِ ممات است۔ قالوانا للہ وانا الیہ راجعون اشارات است؛ والسلام علینا وعلیٰ عباد الصالحین در التحیات است؛ تا خاص و عام دانند کہ دوست را با دوست التفات است؛ فہم من فہم؛ عقل و نفس رام شُد، مقصود تمام شُد۔

مردِ مُصلّی نماز گذار را آنکہ اے عُمر بدہ باز ایں عُمر بدہ بازی! بر نماز و مصلّی چہ بازی؟ بہ فقیران مکُن دم بازی؛ بازی بازی بر ریش بابا بازی یا کہ با بروتِ قلندران بازی؛ اے مردِ مُلّا، واے مردِ قاضی! فقیر از صحبتِ ناجنس کے است راضی؛ قلندر را در سراست بے نیازی؛ از بسکہ شاہد بازی؛ نہ طالبِ زر نہ بارِ انسان بر خر؛ نہ شوقِ ترکی و تازی نہ میل بازی؛ نہ مائلِ حال نہ طالبِ استقبال نہ ذکرِ ماضی؛ رفیع قلندر را ایں طریق است، اے مردِ نمازی! فہم من فہم۔

اے خود نما! تا چند خود نمائی؛ واے باد پیما تاکے باد پیمائی؛ واے غیر آشنا از کدام آشنائی گفتگو داری با عاشقانِ شیدائی؛ اگر چیزے داری باید کہ بنمائی والّا خود را چہ می نمائی؛ تو ہمچو مگس بر دُکانِ حلوائی؛ رفیع قلندر را چہ از کلچہ بہ نانِ خطائی؛ تو از کجا و انسان از کجا اے عاشقِ ہر جائی! ہمہ چشمم تا چہ می نمائی؛ ہمہ گوشم تا چہ می فرمائی؛ می بیند آنچہ می نماید، ایں است بینائی و می شنود آنچہ می فرماید، ایں است شنوائی؛ اگر مردی، باید کہ مردمیت را بیاز مائی ور نہ در جرگہ مردان رُسوا شوی اے مردِ روستائی! **فهم من فهم۔**

برادرم شاہ نعمت اللہ را آنکہ دریاے توحید چنان عمیق است کہ کونین در وے غریق است؛ شناورانِ دریا را کدام رفیق است؛ آنکس مُوَحّد تحقیق است۔ پس اے عزیز! مُوَحّد آں است کہ نہ شاہد را داند نہ مشہود را؛ نہ مقصد را داند نہ مقصود را؛ نہ راکع را داند نہ مرکوع را؛ نہ ساجد را داند نہ مسجود را؛ نہ خود را داند نہ موجود را؛ نہ عبد را داند نہ معبود را؛ خود شاہد است خود مشہود؛ خود مقصد است و خود مقصود؛ خود عابد خود معبود؛ خود راکع است و خود مرکوع؛ خود ساجد است و خود مسجود؛ خود خود است و خود موجود؛ خود عدد است و خود معدود؛ رفیع قلندر را ایں طریق است؛ در سخن تفریق است؛ اگر دریافتی ہمچو شقیق است والّا ہنوز نا تحقیق است۔ **فهم من فهم**

برادرم عبد النبی را آنکہ گفت و شنید کارِ انسان است؛ از انسانیت گذشتہ باشد آنکس محرم من عرف اللہ کل لسانہ است؛ مردِ اہل را ایں نشان است نہ آثارِ صورت بے نشان است؛ خوشتر ایں ہمچو لعل در کان است؛ نہ برائے نفسِ حریصِ سرگردان است؛ نہ مائلِ ہریسہ و روغنی نان است؛ نہ طالبِ قلیہ و زیر بریان است؛ نہ شوق بر کباب مرغ و گوشتِ حلوان است؛ نہ ہمچو مگس بر گردِ خوان است؛ چیزے کہ بجوا ست رسد خواہشِ آں است؛ رفیع قلندر را ایں گزران ہمچو مردان است۔ **فهم من فهم۔**

بندگی شاه باقی را آنکه فقیر آنکس که خودرا از خود گذاشته باشد؛ یا جبّه و دستار برداشته باشد یا گندم وجَو کاشته باشد یا مسجد و چاه ساخته باشد؛ اے برادر فقیر آنست که در قُمار خانہ عشق نقدِ جان در باخته باشد نہ کہ بر درِ سلطان و وزیر خودرا انداخته باشد۔ چنانچہ می فرماید ز بادشاه وگدا فارغم بحمد للہ۔ گدائے خاکِ درِ دوست بادشاہِ من است۔

برادرم شیخ نظر باز را آنکه دل مده باکس که نیست دریں عالم کس؛ اے مردِ بیکس؛ اللہ بس؛ یا رسول اللہ ہوس؛ ہمتِ عاشق است وبس؛ تا چندگری پیش و پس؛ تا که نفس زنی چوں جرس؛ بیارام اے مرغ دریں قفس؛ شہپر مزن عبث؛ چنانچہ می فرماید:

تسلیم شَو اے مرغِ گرفتار بمردن

کز دامِ محبت بیرون شُدنت نیست

ہر چند گُل را صحبت اُفتاد بہ خار و خس امّا منصبِ پروانہ نمی دہند بہ مگس۔

اے صاحبِ حسن در وفا کیش

کیں حسن وفا نہ کند با کس

آخر بہ زکوٰۃ تندرستی

فریادِ دل شکستگاں رس

بہ عبدالرزاق ،اے رازقِ مطلق واے روزی رسانندہ دانا واحمق؛ رفیع قلندر را تا چند گردانی از مغرب تا مشرق؛ مسافتِ دنیا تالبِ گور یکدم است، الحق؛ آنچہ نصیب است بہم می رسد، معلق؛ پس چرا در تاخت باخت آری، گاه بر سمند و گاہی بہ ابلق؛ امادم نہ باید زد، مطلق؛ چنانچہ خبرمی دید لایسئل عما یفعل ،حق؛ پس تا کہ در مدرسہ و خانقاہ خوانی سبق؟ اگر مردی، باش طالبِ حق؛ مرو جا بجا ناحق۔ فہم من فہم۔

برادرم عبدالنبی را آنکہ اے برادر فقیر لا یحتاج است؛ صاحبِ تخت وتاج است؛ ہر روزہ ہزار عالم اُورا اخراج است؛ نہ قلندر باکس وکُو محتاج است و نہ ہیچو مریض در پئے علاج است۔ آں برادر را مفہوم باشد از بسکہ دردِ او بیعلاج۔ چنانچہ حافظ [شیرازی] می فرماید:

می گفت طبیب از سرِ حسرت چو مرا دید ہیہات کہ رنجِ تُو ز قانونِ شِفا رفت

فهم من فهم۔

بندگی سید نظام الدین را آنکہ دنیا ہر چند شہرِ رنگین ست امّا در شہر آشیاں نمی گیرد آنکس کہ شہباز و شاہین است؛ سیرِ آن بیرون از آسمان و زمین است؛ بامنصورِ حلاج بر سرِ دار والانشین است؛ رفیع قلندر فارغ از دنیا و دِین

است؛ از الاّ اللہ ہمین است؛ محمد رسولُ اللہ ایمان و یقین است و ابتدا از چناں و چنیں است؛ انا لیلی و لیلی از سخن مبتدی است و انا الحق حالِ منتہی است؛ ابتدا و انتہا ایں است؛ کار نہ بیش ازیں است۔ فہم من فہم۔

طالبِ خدا را آنکہ در طلب و ارادت وجودت حجاب است۔ در ہمہ حال با مہجوری در عینِ وصال، از خود بیرون آئی فی الحال؛ تا بےنقاب بینی رُوے آں صاحبِ جمال و خود را بہ خود بینی لامثال؛ چنانچہ می فرماید:

در ہرچہ نظر کُنم بہ تحقیق
با غیر سُوے کُجا نشینم
چُوں گشت یقین کہ نیست جز من
بے خود شوم و بہ خود نشینم

فہم من فہم۔

یارِ عزیز را آنکہ قلندر بادشاہ است؛ با تخت و تاج و کُلاہ است و با حشمت و جاہ است و با لشکر و سپاہ است؛ تختِ خسرو و کُلاہِ قباد در چشمِ اُو کاہ است؛ ہر سحرِ اُو با نالہ و آہ است؛ نہ ہر کس را با اُو راہ است؛ بندہ درگاہ است و غُلامِ دَولت خواہ است؛ محمد رسول اللہ تکیہ و پناہ است؛ در راہِ وفا خاک و سیاہ است؛ دایم در ذکرِ قل ھو اللہ است؛ در سر لا الٰہ اِلا اللہ، مقصود محمد رسولُ اللہ است؛ محرمِ نسیم اللہ است؛ در دعویٰ محبت با گواہ است؛ دیدہ و دانستہ بے گناہ است؛ امّا واجب القتل خواہ مخواہ است؛ دلِ عاشق خرگاہ است؛ بادشاہ را در اُو خواب گاہ است؛ نہ ہر خاص و عام را منزل گاہ است۔ **فہم من فہم۔**

برادرم عبدالنبی را آنکہ قلندر الفِ اللہ است؛ نہ در قیدِ ماسوی اللہ است؛ مقصود از اِلا اللہ است و پشت و پناہ محمد رسول اللہ است: کُو زندہ بوصلِ جان و جانی۔

برادرم غلام محی الدین را آنکہ مردمِ قلندر با خدا یارِ غار است؛ با مردمِ دنیا اُو را چہ کار است؛ دع الخلق حاشا اظہار است؛ ظاہر و باطن محرمِ اسرار است؛ بر امر و نہی استوار است؛ ازاں سبب لایقِ دیدار است؛ خدا پرستی بسے دشوار است؛ از خود گذشتن نہ آساں کار است؛ ایں سخن شربت بہ ہر بیمار است؛ اگر دریافتی منفعت بسیار است؛ از قولِ مشایخ استغفار است؛ از فعلِ زاہد بیزار است؛ بہ ایں بزرگی بہ قیدِ ریش و دستار است۔ **فہم من فہم۔**

برادرم فرخ بیگ را آنکہ بستر دل محصول است؛ آں کس را کہ در ذکرِ لا الٰہ اِلاّ اللہ مشغول است محمد رسولُ اللہ موصول است؛ ایں حکایت نہ منطق نہ اصول است؛ علمِ عالم در ایں مجہول است؛ لایقِ ایں مرتبہ ردّ و قبول است؛ ایں دَولت نہ در ہر مقبول است تا نہ دانی کہ ایں سخن از مردمِ فضول است۔ **فہم من فہم۔**

برادرم غلام محی الدین را آنکہ عاشق مبتلاے یار است؛ از روزِ ازل سایلِ دیدار است؛ با سُو دوزیاں اُو را چہ کار است؛ حدیثِ عشق در گفتار است؛ دردِ عاشق نہ در اظہار است؛ علاجِ بسے دشوار است؛ خال و خط و کاکُل بسیار

است؛ چشم وابرو دریں بازار است؛ لب و دندان انبار است؛ ذقن وجبین وقد وکمر در کار است؛ پس دریابد ہر کہ ہشیار است؛ ایں تفرید راجع کردن وبستن کارِ صاحبِ اظہار است۔ فهم من فهم۔

برادرم شکرالله بہاری را آنکہ جان وجاناں جدا نیست؛ بندہ خود خدا نیست؛ خود را دیدن روا نیست؛ احمد را دیدن خطا نیست؛ چشمِ احول لائق دوا نیست؛ ظاہر وباطن جز مصطفیٰ نیست؛ کور را منفعتِ توتیا نیست؛ چنانچہ می فرماید: انا احمد بلا میم؛ امّا ایں صدا در گوشِ ہر بے سروپا نیست۔ فهم من فهم۔

برادرم محمد تقی را آنکہ خوردن ونوشیدن بسیار است؛ اما حیوان کہ قوتِ اُو ہر خس وخار است، نہ انسان را کہ مشتاقِ لقاے یار است؛ پلاو شش رنگ تیار است؛ مزعفر وقلیہ ونان با مصالح واچار است؛ نان چپاتی وکبابِ مرغ وگوشتِ حلوان است؛ امّا نفسِ عاشق را میل بریں عار است۔ فهم من فهم۔

برادرم عبدالنبی را آنکہ از کاروبارِ دنیا بیزار باش؛ تارکِ ایں مردار باش؛ بامدعی خبردار باش؛ دایم در استغفار باش؛ تالبِ گور ہشیار باش؛ مایلِ دیدار باش؛ در ملکِ وجود کم آزار باش؛ مرد ریں شہر بیدار باش؛ اگر مردی، بُردبار باش؛ مردمِ خدا یار باش؛ ہمچو رفیع قلندر بادلدار باش؛ در دعویِ محبت استوار باش۔ فهم من فهم۔

برادرم شیخ جمال را آنکہ خود جمیل وخود جمال است؛ جمالِ جاناں دیدن عین وصال است؛ درست وزیبا دیدن عین زوال است؛ درکسوتِ خوبی بے مثال است؛ در بیابانِ محبت بے پر وبال است؛ الله جمیلٌ ویحب الجمال است؛ خود را خود بیند آنچہ خیال است؛ واقف ایں سرّ حضرت سلمان وبلال است؛ رُوے جاناں بے خط وخال است؛ دریں مقام چہ جاے قیل وقال است؛ منصبِ ایشاں ہر حال است۔ فهم من فهم۔

برادرم شاہ نعمت الله را آنکہ نامحرم را دریں کوچہ راہ نیست؛ ہر کس لایقِ خدمتِ بادشاہ نیست؛ با ذکرِ مدام بفکرِ تمام، پس دعویِ عشق آں گواہ نیست؛ جز عاشق دیگر زر وسیاہ نیست؛ طالبِ دنیا را حرمت دریں درگاہ نیست؛ بر تجملِ دنیا عاشق را نگاہ نیست؛ دنیا در چشمِ عاشق کم از کاہ نیست؛ عاشق مایلِ گنج وگاہ نیست؛ دل فارغ از نالہ وآہ نیست؛ رفیع قلندر را حاجتِ مسجد وچاہ نیست؛ از عیشِ بہشت وعذابِ دوزخ پروای نیست۔ فهم من فهم۔

برادرم شیخ غلام محی الدین را آنکہ طالبِ مولیٰ بے نیاز است؛ از آں سبب کہ خدا کارساز است؛ نہ پابرنشیب وفراز است؛ عاشق خود سرفراز است؛ ایں حکایت از ذرور ودراز است؛ تا پنداری کہ ایں سخن از مجاز است؛ عاشق شہبازِ بلند پرواز است؛ در خلوتِ معشوق محرمِ راز است؛ از بسکہ ہمیشہ باسوز وساز است؛ از سرتا جان گداز است؛ تا ندانی کہ عاشق بے نماز است۔ فهم من فهم۔

برادرم غلام محی الدین را آنکہ عاشق صاحبِ قرار است؛ دایم مستغرق در نظارہ دلدار است؛ فارغ از جبّہ ودستار است؛ باروزہ ونماز چہ کار است؛ از نشیمنِ بہشت وسایہ طوبیٰ عار است؛ تا نہ پنداری کہ دیوانہ است بکارِ خود ہشیار است۔ فهم من فهم۔

رقعات سرمد

برادرم محمد رحیم کے لیے: یوں ہے کہ رحیم وکریم، قہّار وجبّار، ستّار وغفّار اسمائے صفاتی ہیں، صرف اللہ اسمِ ذات ہے۔ اے عزیز! صفاتِ خداوندی ذات سے ہیں، سو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؛ عاشق کے لیے ہر دن عید اور ہر رات شب برات ہے؛ کہ وہی تو دائم در ملاقات ہے؛ نہ اس کے لیے بندِ حیات ہے نہ قیدِ ممات ہے۔ کہتے ہیں کہ انا لله وانا اليه راجعون ازقبیلِ اشارات ہے؛ والسلام علينا وعلى عباد الله الصالحين در التحيات ہے؛ تاکہ ہر خاص وعام جان لے کے دوست کو دوست سے التفات ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا؛ عقل ونفس رام ہوئے، مقصود تمام ہوا۔

***

مردِ مصلّی نماز گذار کے لیے: اے عربدہ باز کب تک یہ جھگڑا بازی! نماز اور مصلّے کا کیا کھیل بنا رکھا ہے؟ فقیروں سے یہ دھوکے بازی مت کر؛ کھیل، کھلواڑ، باپ کی داڑھی سے کھلواڑ یا کہ قلندروں کی ریش وبروت سے کھلواڑ؛ اے مردِ ملّا، اے مردِ قاضی! فقیر صحبتِ ناجنس سے کب ہوا ہے راضی؛ قلندر کے سر میں ہے بے نیازی؛ کہاں کی شاہد بازی؛ نہ طالبِ زر نہ انسان کی صورت میں بارِ خر؛ نہ عربی گھوڑوں کا شوق نہ ترکی گھوڑوں کا؛ نہ کھیل سیمیلان؛ نہ مائلِ حال ہے، نہ مستقبل کا طلبگار، نہ ماضی کی یاد میں ڈوبا ہوا؛ قلندرِ والا مقام کا یہی طور طریقہ ہے اے مردِ نمازی!

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

اے خود نما! یہ دکھاوا کب تلک؟ اور اے بادپیما، یہ کارِ بے مصرف کب تلک؟ اے غیر آشنا، عاشقانِ شیدائی سے کس آشنائی کی بات کر رہا ہے؛ اگر پلے کچھ ہے تو لا، دکھا، ورنہ یہ کیا خود نمائی کیے جا رہا ہے؛ تو حلوائی کی دوکان پر مکھی کی طرح ہے؛ قلندرِ والا مقام کو کلچہ کیا اور نان خطائی کیا؛ اے عاشق ہر جائی، تو کہاں اور انسان ہونا کہاں؛ ہماری آنکھیں لگی ہوئی ہیں کہ تو کیا دکھائے گا؛ ہم ہمہ گوش ہیں کہ تو کیا فرمائے گا؛ دکھاؤ وہی جو دیکھا ہو، اسے دیکھنا کہیں گے؛ کہو وہی جو سنا ہو، اسے شنوائی کہا جائے گا؛ اگر مرد ہو تو مردی آزماؤ ورنہ طائفہ مرداں میں رسوا ہو کر رہ جاؤ گے، اے مردِ دہقان۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم نعمت اللہ شاہ کے لیے: بات یوں ہے کہ بحرِ وحدت ایسا گہرا ہے کہ دونوں جہان اس میں ڈوبے ہوئے ہیں؛ اس سمندر کے پیراک کا رفیق کون! وہ جو خود حقیقتاً مُوَحّد ہو؛ پس اے عزیز مُوَحِّد وہ ہے جو نہ شاہد جانے نہ مشہود؛ نہ مقصد جانے نہ مقصود؛ نہ رکوع کرنے والے کو جانے نہ مرکوع کو؛ نہ سجدہ گذار جانے نہ مسجود؛ نہ خود کو جانے، نہ جانے موجود؛ نہ بندہ

جانے نہ معبود؛ خود ہی شاہد خود ہی مشہود؛ خود مقصد، خود مقصود؛ خود عابد، خود معبود؛ خود راکع، خود مرکوع؛ خود ساجد، خود مسجود؛ خود ہی خود اور خود موجود؛ خود عدد اور خود معدود؛ رفیع قلندر کا یہی طریق ہے۔ بیان میں آ کر بات بکھر جاتی ہے؛ اگر یہ نکتہ پالیا تو تم ہم میں سے ہوئے وگرنہ ہنوز مقامِ تحقیق سے دور۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم عبدالنبی کے لیے: دیکھیے، کہنا سننا انسان کا کام ہے؛ جو مَن عَرَّفَ اللهُ كَلَّ لِسانَه [جسے اللہ نے گیان دیا اس کی زبان بندی ہوگئی] کا راز دار ہوا، وہ اس (عام) انسانی مرتبے کے آگے نکل گیا۔ مردانِ اہل کی یہی نشانی ہے کہ نہ کہ بے نشان کے آثارِ صورت؛ کان کے لعل کی طرح یہی خوب ترین ہے؛ نفسِ حریص کے لیے سرگرداں نہیں؛ مائل بر ہریسہ و روغنی نان نہیں؛ طالبِ قلیہ اور زیر بریاں نہیں؛ شوقینِ کبابِ مرغ اور گوشتِ حلوان نہیں؛ مکھی کی طرح اردگردِ دسترخوان نہیں؛ بن مانگے ملے جو اس کی خواہش ہے؛ قلندر ِ والا مقام کی مردوں کی طرح یونہی گذران ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

بندگی شاہ باقی کے لیے: جان لیجیے کہ فقیر وہ ہے جس نے خود کو خود سے چھڑا لیا، نہ وہ جس نے جبّہ و دستار سجا لیا، یا گندم و جوا گا لیا، یا مسجد اور کنواں بنا لیا؛ اے برادر، فقیر وہ ہے جس نے قمار خانہ عشق میں نقدِ جان کو داؤ پر لگا دیا؛ نہ کہ وہ جس نے سلطان و وزیر کے در پر خود کو گرا دیا! کہا گیا ہے نا کہ ہم تو شاہ و گدا دونوں سے آزاد ہیں، بحمد اللہ۔ وہ جو خاکِ کوچہ یار ہے، ہمارا بادشاہ ہے۔

***

برادرم شیخ نظرباز کے لیے: کسی سے دل نہ لگایئے کہ اس دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں؛ اے مردِ بیکس، اللہ بس، یا رسول اللہ ہوس؛ عاشق کی ہمت ہے اور بس؛ آگے پیچھے دیکھنا کب تلک! یہ گھنٹی کی طرح سانس کھینچنا کب تلک! اے پرندے، اس پنجرے میں چین سے بیٹھ؛ یونہی بے کار پر نہ پھڑ پھڑا؛ کہا گیا ہے کہ:

اے مرغِ گرفتار مرنے پر راضی ہو جا
کہ محبت کے جال سے اب تیری رہائی نہیں ہونے کی

پھول خواہ گھاس پھونس میں جا گرا ہو، پروانے کا منصب مکھی کو تو نہیں دیا جا سکتا:

اے صاحبِ حسن، وفا کیش ہو جا
کہ اس حسن نے کسی سے وفا نہیں کی
تندرستی کی زکوٰۃ نکال
اورٹوٹے ہوئے دلوں کی فریاد سن!

جس نے بوجھا،اس نے جانا۔

***

عبدالرزاق کے نام: اے رزاقِ مطلق! دانااوراحمق کو یکساں روزی دینے والے؛ رفیع قلندر کو کب تلک مغرب سے مشرق تک سرگرداں رکھیے گا؛ حق یہ ہے کہ قبر کنارے تک مسافتِ دنیا بس دم بھر کی ہے؛ جو نصیب میں ہوگا،مل جائے گا، یہ معلق ہے؛ پس خود کو کاہے کے لیے اس بھاگ دوڑ میں ڈال رہا ہے،کبھی اسپ سفید اور کبھی چتکبرے گھوڑے پر؛ تجھے تو مطلقاًبات ہی نہیں کرنا چاہیے؛خبرِ صادق (قرآن) میں آیا اور یہی حق ہے کہ لا یُسئلُ عما یَفعَلُ ... (اس سے اس کے کیے بارے نہیں پوچھا جا سکتا مگر وہ سب جوابدہ ہونگے)؛ پس مدرسہ وخانقاہ میں یہ سبق خوانی کب تلک! اگر مرد ہے تو طالبِ حق بن، اِدھراُدھر، ناحق آنا جانا مت کر۔

جس نے بوجھا،اس نے جانا۔

***

برادرم عبدالنبی کے لیے: اے برادر، فقیر بے احتیاج ہے؛ صاحب تخت وتاج ہے؛ ہزار عالم کا اسے روزانہ خراج ہے؛ نہ قلندر اِس کا، اُس کا محتاج ہے اور نہ بیماروں کی طرح درپے علاج ہے۔ ہمارے بھائی کو سمجھ لینا چاہیے کہ اسے دردِ لا دوا ملا ہے، وہ بے علاج ہے۔ جیسا کہ حافظِ شیرازی نے فرمایا تھا: مجھے دیکھ کر طبیب حسرت سے بول اٹھا/ افسوس کہ تیرا مرض قانونِ شفاء سے باہر ہے۔

جس نے بوجھا،اس نے جانا۔

***

بندگی سید نظام الدین کے لیے: ہر چند دنیا شہرِ رنگین ہے لیکن شہر میں وہ آشیاں بندی نہیں کرتے جو شاہباز وشاہین ہیں؛ کہ ان کی پرواز بیرون از آسمان وزمین ہے؛ منصورِ حلاج کے ساتھ دار پر والانشین ہیں؛ قلندرِ بلند مقام فارغ از دنیا و دین ہے؛ یہی الا اللہ ہے؛ محمد رسول اللہ ایمان ویقین اور ابتداء چناں وچنیں ہے؛ ''میں ہی لیلیٰ، لیلیٰ'' تو متبدیوں کی بات ہے اور انا الحق منتہی کا حال ہے؛ یہ ہے ابتداء اور انتہا؛ ازیں بیش کچھ نہیں۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

طالبِ خدا کے لیے: طلب واردات میں خود تیرا وجود تیرا حجاب ہے؛ ہر حال میں، مہجوری اور عین وصال میں، اپنے حال میں خود سے گذر جا؛ تبھی اس صاحبِ جمال کا روئے بےنقاب دیکھ سکے گا اور خود کو خود سے دیکھ پائے گا، لامثال۔ جیسا کہ کہا گیا:

جو کچھ بھی بہ نظرِ تحقیق دیکھوں
غیر کے ساتھ کہاں جگہ پاؤں!
جب یہ یقین آ گیا کہ میرے سوا کچھ نہیں
تو بے خود ہوا اور اپنے ساتھ ہو لیا!

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

یارِ عزیز کے لیے: جانیے کہ قلندر بادشاہ ہے؛ صاحبِ تخت وتاج وکلاہ ہے؛ باحشمت وجاہ ہے اور صاحب لشکر وسپاہ ہے؛ خسرو کا تخت اور کلاہِ قباد اس کی نگاہ میں پرِ کاہ ہے؛ اس کے لیے ہر صبح نالہ و آہ ہے؛ نہ ہر کس و ناکس کو اس سے رسم و راہ ہے؛ وہ بندہ درگاہ ہے اور غلام دولت خواہ ہے؛ محمد رسول الله اس کا تکیہ و پناہ ہے؛ راہِ وفا میں خاک ہے اور راکھ ہے؛ اس کا ذکر دائم قل ہو الله ہے؛ سر میں لا اله الا الله ہے؛ مقصود محمد رسول الله ہے؛ محرمِ نسیمِ الٰہی ہے؛ اس کے دعویٰ محبت پر گواہی ہے؛ جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ بے گناہ ہے؛ پھر بھی خواہی نہ خواہی واجب القتل ہی ٹھہرایا جائے گا؛ عاشق کا دل وہ وسیع خیمہ گاہ ہے جس میں بادشاہ کی خواب گاہ ہے؛ ہر خاص و عام یہاں پڑاؤ نہیں کر سکتا۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم عبدالنبی کے لیے: جانیے کہ قلندر اللہ کا الف ہے؛ وہ ماسوی اللہ کا اسیر نہیں ہے؛ غرض الا الله سے ہے؛ اس کا پشتیبان اور پناہ محمد رسول الله ہے؛ کہ وہ وصلِ جانِ جاناں سے زندہ ہے۔

***

برادرم غلام محی الدین کے لیے: قلندر لوگ خدا کے یارِ غار ہیں؛ دنیا کے لوگوں سے انھیں کیا سروکار؛ خلق سے بھاگتے، ان کے سامنے اظہار سے گریزاں ہیں؛ ظاہر اور باطن دونوں میں محرمِ اسرار ہیں؛ امر ونہی پر استوار ہیں؛ اسی لیے

لائقِ دیدار ہیں؛ خدا پرستی بہت دشوار ہے؛ خود سے گذر جانا کوئی آسان کام نہیں؛ یہ باتیں ہر بیمار کے لیے شربت ہیں؛ اگر تم نے پا لیا تو منفعت بے شمار ہے؛ قولِ مشائخ سے استغفار؛ کارِ زاہداں سے بیزار؛ کہ یہ ایں بزرگی ڈاڑھی اور دستار میں گرفتار!

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم فرخ بیگ کے لیے: بساطِ دل اس کے لیے محصول (مقامِ حاصلات) جو لا اله الا الله کے ذکر میں مشغول ہے؛ محمد رسول الله موصول (جہاں پہنچے گا) ہے؛ یہ حکایت نہ منطق نہ علمِ اصول؛ عالموں کا علم اس میں مجہول؛ اس مرتبہ ردّ و قبول کے لائق ہے؛ یہ دولت مقبولان میں سے ہر ایک کو نہیں ملتی؛ کہیں یہ نہ سمجھنا کہ یہ باتیں بے کار کے لوگوں کی سخن سازی ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم شکر اللہ بخاری کے لیے: جان (آتما) اور جانِ جاناں (پرم آتما) الگ الگ نہیں؛ بندہ خود خدا نہیں؛ خود کو دیکھنا روا نہیں؛ احمد کو دیکھنا خطا نہیں؛ بھینگی آنکھ کی دوا نہیں؛ ظاہر و باطن جز مصطفیٰ نہیں؛ اندھے کو توتیا کا فائدہ نہیں؛ چنانچہ فرمایا انا احمدِ بلا میم (میں بے میم کا احمد ہوں)؛ تاہم یہ صدا ہر بے سرو پا شخص کے کانوں کے لیے نہیں۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم محمد تقی کے لیے: کھانا پینا تو بہت ہے مگر حیوان کا جس کی غذا گھاس پھونس ہے نہ کہ انسان جو لقائے یار کا اشتیاق رکھتا ہے؛ چھ رنگ کا پلاؤ تیار ہے؛ منزعفر اور قلیہ و نان با مسالہ و اچار ہے؛ نان، چپاتی، مرغ کے کباب اور حلوان گوشت رکھا ہے؛ لیکن عاشق کے جی کا ان پر مائل ہونا باعثِ عار ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم عبد النبی کے لیے: اے بھائی، دنیا کے لین دین سے ہاتھ اٹھا؛ اس مردار کو چھوڑ؛ دعوے کرنے والوں سے ہوشیار رہ؛ ہمیشہ در استغفار رہ؛ قبر کنارے تک چوکس رہو؛ مائلِ دیدار رہو؛ عالمِ وجود میں کم آزار رہو؛ بس اس شہر میں جاگتے رہنا؛ اگر مرد ہے تو بردبار بن؛ اللہ والوں کا دوست بن؛ قلندرِ والا مقام کی طرح دلدار کے ساتھ رہ؛ محبت کے دعوے میں استوار رہ۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم شیخ جمال کے لیے: (اللہ) خود جمیل اور خود جمال ہے؛ جمالِ جاناں کی دید، عینِ وصال ہے؛ (خود کو) درست اور اچھا جاننا عینِ زوال ہے؛ خوبیوں کے ذخیرے میں بے مثال؛ بیابانِ محبت میں بے پر و بال ہے؛ اللہ جمیل و یحب الجمال ہے؛ خود کو خود دیکھنا، یہ خیال ہے؛ حضرت سلمان و بلال کے اس راز کا بھیدی ہے؛ روئے جاناں بے خط وخال ہے؛ اس مقام کے بارے میں قیل وقال کی کیا گنجائش ہے؛ ہر حال ان کا منصب ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم شاہ نعمت اللہ کے لیے: اس کوچے میں نامحرم کا گذر نہیں؛ ہر کوئی شاہی خدمت کے لائق نہیں ہوتا؛ دائمی ذکر اور فکرِ تمام کے ساتھ؛ اس کے دعویِ عشق کا کوئی گواہ نہیں؛ عاشق کے سوا کوئی روسیاہ نہیں؛ دنیا کے طالب کو اس درگاہ میں حرمت نہیں ملتی؛ دنیا کی شان وشوکت پر عاشق کی نگاہ نہیں؛ عاشق کی نظر میں یہ دنیا گھاس کی پتی سے بھی کم ہے؛ عاشق خزانے اور دفینے پر مائل نہیں؛ اس کا دل آہ و نالہ سے فارغ نہیں؛ رفیع قلندر کو مسجد اور کنویں کی حاجت نہیں؛ بہشت کے عیش اور عذابِ دوزخ کی اسے پرواہ نہیں۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

عاشق صاحبِ قرار ہے؛ ہمیشہ نظارہ دلدار میں غرق ہے؛ جُبّہ و دستار سے فارغ ہے؛ نماز، روزے سے کیا سروکار ہے؛ اسے جنت کے نشیمن اور سایہ طوبیٰ سے عار ہے؛ کہ یہ نہ سمجھ لینا کہ دیوانہ بہ کارِ خویش ہشیار ہے۔

جس نے بوجھا، اس نے جانا۔

***

برادرم شیخ غلام محی الدین کے لیے: طالبِ مولیٰ بے نیاز ہے؛ اس سبب سے کہ خدا کارساز ہے؛ نہ پاؤں بر نشیب و فراز ہے؛ عاشق تو خود سرفراز ہے؛ یہ حکایت از دور و دراز ہے؛ کہ تم کہیں یہ نہ سوچو کہ یہ مجاز کی بات ہے؛ عاشق اونچا اڑنے والا شاہباز ہے؛ محبوب کی خلوت کا محرمِ راز ہے؛ از بسکہ ہمیشہ سوز وساز والا ہوتا ہے؛ عقل سے روح تک پگھل چکا ہے؛ کہ تو یہ نہ سمجھے کہ عاشق بے نماز ہے۔

جس نے بوجھا اس، نے جانا۔

حواشی اور توضیحات – پیش رس: مترجمین

1. Ataullah, Iqb?l N?mah, Sh. M. Ashraf, Lahore, 1946, Vol. I. p. 78. Revised one volume edition, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 2007, p. 112.

عطاالله، اقبال نامہ، اقبال اکادمی، ۲۰۰۷ء، ص ۱۱۲۔

۲۔ ''اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوفِ وجودی سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔''

ر۔ک: شیر خان لودھی، مراۃ الخیال، (مرقومہ ۱۱۰۲ھ)، بمبئی، ۱۳۲۴ھ، ص- ۳۴۲؛ علی قلی والا داغستانی، [م۔۱۱۸۴ھ]، ریاض الشعراء نسخہ خطی، پنجاب یونی ورسٹی لائبریری، شمارہ PF-I-17، (مرقومہ ۱۱۶۱ھ)، نسخہ ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء، فولیو ۱۱۳ب، فولیو ۱۱۳ الف، ص-۳۹ ؛ لطف علی خان بیگ آذر، آتشکدہ آذر، محمد علی علمی، ایران، ۱۳۳۷ ش، ص- ۲۵۰؛ صمصام الدولہ شاہ نواز خان، ماثر الامرا، کلکتہ، ۱۸۸۸/۱۸۹۴ء، جلد اول، ص- ۲۲۶ اور ۲۲۷، (مرقومہ ۱۱۶۱ھ)؛ داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، لکھنؤ، ۱۸۷۲ء، (مرقومہ ۱۰۴۹ھ)ص- آخرِ کتاب؛ بختاور خان، مراۃ العالم، تدوین، ساجدہ علوی، لاہور، ۱۹۷۹ء، جلد دوم، ص- ۵۹۶ اور ۵۹۴؛ محمد افضل سرخوش، کلمات الشعراء، تہران، ۱۳۱۶ھ، ص- ۱۴۱ اور ۱۴۲؛ نواب صدیق حسن خان، شمعِ انجمن، بھوپال، ۱۲۵۳ھ، ص- ۲۰۹ سے ۲۱۱؛ رضا علی ہدایت، ریاض العارفین، تہران-لکھنو، ۱۸۷۳ء، ص-۱۴۰، ۳۵۲ اور ۳۵۳؛ تھامس ولیم بیلی، مفتاح التواریخ، نولکشور، لکھنؤ، ۱۸۶۸ء؛ اردو ترجمہ: ملک محمد علی خان ہاشمی سندیلوی، تذکرۂ مخزن الغرائب، تدوین: محمد باقر، مجلدات ۱، ۲، ۱۹۶۸ء، مجلدات ۳ تا ۷، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء؛ نواب سراج الدین علی خان آرزو، تذکرۂ مجمع النفائس، تدوین: زیب النساء علی خان، ۳ مجلدات، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء (Rieu, Persian Manuscripts, Vol. II, p. 1081)؛ میر حسین دوست سنبھلی، تذکرۂ حسینی، نولکشور، لکھنؤ، ۱۲۹۲ھ، ص ۱۴۵، ۱۴۶؛ محمد اسلم انصاری پسروری، فرحۃ الناظرین، (غیر مطبوعہ، مرقومہ ۱۱۶۱ھ)، اردو ترجمہ اور حواشی، ایوّب قادری، کراچی، ۱۹۷۲ء، ص-۹۳، ۹۴؛ مرزا محمد طاہر نصر آبادی، تذکرہ طاہر نصر آبادی، تدوین: وحید دستگردی، تہران۔ مزید دیکھیے: مجیب الله ندوی، سرمد اور اس کی رباعیان، معارف، ندوۃ، اعظم گڈھ، جلد ۵۷، شمارہ ۵، ۱۹۴۶، ص- ۳۳۹ تا ۳۵۸؛ جلد ۵۷، شمارہ ۶، ص- ۴۵۴ تا ۴۶۷؛ جلد ۵۸، شمارہ ۱، ص- ۴۴ تا ۶۵۔ معاصر اور ما بعد کے مغربی مصنفین نوٹ ۶ کے تحت دیکھیے:

۳۔ ''مولانا ابوالکلام آزاد تو نثر کا آرائشی فریم صرف اپنے پسندیدہ فارسی اشعار ٹانکنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، ان

کے اشعار بے محل نہیں ہوتے، ملحقہ نثر بے محل ہوتی ہے۔ وہ اپنی نثر کا تمام تر ریشمی کوکون [کویا] اپنے گاڑھے گاڑھے لعابِ ذہن سے فارسی شعر کے گرد بنتے ہیں۔" مشتاق احمد یوسفی، آبِ گم، دانیال، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص-۲۶۔

۴۔ ابوالکلام آزاد، سرمد شہید، ادبستان، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص-۳۳۔

۵۔ ر۔ک: شیر خان لودھی، مراۃ الخیال، بمبئی، ۱۳۲۴ھ، ص-۳۲۴۔

۶۔ ر۔ک: میرذوالفقار علی اردستانی، دبستانِ مذاہب، کانپور، ۱۳۲۱ھ؛ ہمارے پیشِ نظر جو نسخہ ہے وہ اقبال اکادمی پاکستان کو حکومتِ ایران کا تحفہ تھا اور ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۰ء کی سنگی اشاعت کا عکسی نسخہ ہے۔

The authorship of the Dabistan has been much debated. Starting from Charles Rieu, (*see Catalogue of Persian Manuscripts in the British Museum,* London, 1879, Vol. I, p. 142) names of many candidates have been suggested for its authorship. Since some of the Persian manuscripts of the Dabist?n in the British Museum had mentioned the name of Muhammad Amin Nama Nigar, Rieu attributed it to him on the basis of the fact that the author of the Dabistan refered to himself as in nama nigar (this writer, the author of this work, the scribe) which is a common mannerism of Persian writers, something similar to what we find as "the undersigned ventures to say….)! Since Muhammad Amin had the *nomé dé plume* of "Nama Nigar" Rieu was misled by the similarity. Then from William Jones (1798: Muhsin Fani) to Rahim Rezazadeh Malik, (Ed. *Dabistan-i Madhahib*, Two Vols., Tehran, 1342 S.: Kaykhusrow Asfandyar, son of Adhar Kaywan, the mentor of Mowbadshah the author) various names were suggested. The scholarship now agrees on the name of M?r Zulfiqar Ali Adhar Urdistani AKA Mulla Mowbad or Mowbadshah. Encyclopaedia Iranica has recorded the details of the controversy very accurately (http://www.iranicaonline.org/ articles/ dabestan-e-madaheb). While translating the Dabistan text and rechecking the original sources, various manuscripts/old editions of the Dabistan and related materials my views have also precipitated toward the conclusion that it was written by Mir Zulfiqar Ali Adhar Urdistani Sasani AKA Mulla Mowbad or Mowbadshah. The materials to which the Encyclopaedia Iranica did not have access (like G. M. Khan, Ed. Shams-al-Dawla Shahnawaz Khan, Maa'thir al-umara, Calcutta, 1888) and the Diwan of Mowbadshah, also complete this trajectory: 1) Mir Zulfiqar Ali Urdistani AKA Mulla Mowbad or Mowbadshah was connected with Adhar Kaywan while living in Patna and was trained by him 2) A collection of Mowbadshah's verses (ca. 3,000 couplets) is preserved in the

public library in Patna (Askari, pp. 85-104). Some fragments from these verses are quoted in the Dabistan, including the opening poem, which contains the word "Dabistan" in the first couplet and the pen name "Mowbad" in the last (Askari, pp. 90-91). Furthermore, most of the personal and place names mentioned in Mowbadshah's Divan also turn up in the Dabistan, and the opinions and beliefs expressed in both books have much in common. The internal evidence also proves Mowbadshah to be a man of great erudition and insight and also very well versed in Islamic learning.

Select Sources:

S. H. Askari, "Dabistan-i Madhahib and Diwan-i Mubad," Indo-Iranian Studies Presented for the Golden Jubilee of the Pahlavi Dynasty of Iran, ed. F. Mujtabai, New Delhi, 1977, pp. 85-104.; Azad Belgrami, Ma'athir al-kiram, Agra, 1910; Esma'il Paša Bagdadi, Idah al-maknun I, Istanbul, 1945, p. 442. M. A. Da'i al-Eslam, Farhang-e nizami, Hyderabad (Deccan), 1346-58/1927-39; W. Erskine, "On the Authority of the Desatir, with Remarks on the Account of the Mahabadi Religion Contained in the Dabist?n," Transactions of the Literary Society of Bengal 2, 1818, pp. 395-98; Rahm-Ali Khan Iman, Muntakhab al-lata'if, Tehran, 1349 = 1309-10 Š./1930-31; W. Ivanow, Concise Descriptive Catalogue of the Persian Manuscripts in the Collection of the Asiatic Society of Bengal, II, Calcutta, 1928, p. 1134; W. Jones, "The Sixth Discourse on the Persians," Asiatic Researches 2, 1789, pp. 43-66; repr. New Delhi, 1979; V. Kennedy, "Notice Respecting the Religion Introduced into India by the Emperor Akbar," Transactions of the Literary Society of Bombay 2, 1818, pp. 265-86; Abd-al Rahim Mawlawi, Lubab al-ma'arif al-ilmiya, Peshawar, n. d.; A. Monzawi, Fehrest-e noskhahha-ye khatti-e ketab-khana-ye Ganjbakhsh II, Islamabad, 1359/1940, p. 471; Samsam-al-Dawla Šahnavaz Khan, Ma'athir al-umara, Calcutta, 1888; Dabistan-i Madhahib, Ed. Rahim Rezazadeh Malik, 2 Vols., Tehran, 1342 S.; Manucci, Storia do Mogor or Mughal India, 4 Vols., Eng. Tr. Archibald, London, 1891, Rept. 1981, p. 228; Bernier, p. 228;

7. www.elijah-interfaith.org

8. The Dabistan or School of Manners, TRANSLATED FROM THE ORIGINAL PERSIAN, WITH NOTES AND ILLUSTRATIONS, by DAVID SHEA, PRINTED FOR THE ORIENTAL TRANSLATION FUND OF GREAT BRITAIN AND IRELAND, BENJAMIN DUPRAT/ ALLEN AND CO., LEADENHALL-STREET, LONDON, 1843. Charles Rieu "presaged" me when, in 1879, he had remarked, with regard to the English translation of Shea and Troyer, "..but it cannot be depended on for accuracy.", Catalogue of Persian Manuscripts in the British Museum, London, 1879, Vol. I, p. 141.

۹۔ یعنی رقعاتِ سرمد شہید، جو منشی قربان علی بسمل نے اپنے شاہجہانی پریس دہلی میں 23 محرم 1345ھ میں طبع کرائے [بارِ اوّل]۔

10. Khaliq Ahmad Nizami, The Encyclopaedia of Islam, New Edition, Vol. VII, Brill, 1993, pp. 452.

۱۱۔ جس دوست نے ربّی ایلون کو دیوناگری متن تیار کر کے دیا تھا وہ شاید فارسی میں کمزور تھے؛ متن کے بہت سے مقامات سر توڑ کوشش کے باوجود گرفت میں نہیں آتے تھے!

۱۲۔ کتب خانہ علی گڑھ یونی ورسٹی ضمیمہ فارسیہ، ۷/۰۱۔

13. Alon Goshen-Gottstein, "Scripture and Memory- The Jewish and Multiple Religious Identity of Sa'id Sarmad," (unpublished article).

۱۴۔ دیکھیے حاشیہ ۸۔

15. Qur'an,5:44-46.

۱۶۔ چند حوالوں کا تذکرہ ہو چکا، مزید کچھ یہاں درج کیے جا رہے ہیں۔

The Rubaiyat of Sarmad, translated by Syeda Saiyidain Hameed, Indian Council for Cultural Relations, Azad Bhavan, Indraprastha Estate, New Delhi-110002,1991; Ezikiel, Sarmad the Jewish Saint of India, Punjab, India, (3rd Ed. 1988); Paul Smith, Ruba'iyat of Sarmad, Book Heaven, Victoria, Australia, 2012, ISBN 978 1479346615; M. G. Gupta, Sarmad Saint, Delhi, India, 2010, ISBN 978 8191002980.

ابوالکلام آزاد، سرمد شہید، ادبستان، لاہور، ۱۹۷۳ء۔

۱۷۔ ہندو گیانیوں کی نمائندہ عبارت کے لیے دیکھیے ضمیمہ چہارم۔

۱۸۔ یاد رہے کہ میر صاحب کی دلی میں ''درویش'' کا لفظ ملنگوں، تارکِ عبادات، نشہ باز، بہروپیوں کے لیے

استعمال ہوتا تھا۔

۱۹۔ جو اس زمانے کا کیا آج کا بھی کوئی ماہر صاحبِ علم تیار کر سکتا ہے۔ ہمارے احباب ہی میں سے احمد جاوید صاحب یا تحسین فراقی صاحب اس سے بہتر اور دلنشین عبارت ''تخلیق'' کر سکتے ہیں۔

***

حواشی اور توضیحات — ترجمہ

۲۰۔ تمام اسلامی زبانوں کے عارفانہ ادب میں یہ مقولہ کسی نہ کسی شکل میں ملتا ہے: گل سمجھی تے رولا کی؟۔

۲۱۔ دیگ کی کھرچن، تہِ دیگ۔

۲۲۔ لایسئل عما یفعل وہم یسئلون، قرآن، ۲۳:۲۱۔